ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.1(2024)
(January to March)

اقبال کے تعلیمی افکار اور ہمارا مروجہ نظامِ تعلیم

Iqbal's educational thoughts and our current education system

ڈاکٹر محمد عامر اقبال

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ، پاکستان

ڈاکٹر سبینہ اویس اعوان

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

Dr.Muhammad Amir Iqbal

Assistant Professor, Department of Urdu, University of Sialkot. Pakistan

Dr. Sabeena Awais Awan

Associate Professor.Department of Urdu, GC Woman University. Sialkot

Abstract:

Iqbal performed the moral duty of awakening us continuously. Acknowledging his educational insights will be a validation of his truthfulness. The study of Iqbal's thought facilitates the transmission and understanding of his educational ideas. Education is the center of attraction in human life. Co-ordination of training with education provides excellent results. Iqbal's thought contains insights on important topics such as education, teachers, madrassas, curricula and students. All these aspects are the most important point of training. Their usefulness is obvious. From the study of Iqbal's thought we come to the conclusion that education is actually linked to training. The results of education without training are not beneficial. Iqbal has urged education to be subject to religion so that the use of force can be justified. In our current education system, neither teachers are doing their duty nor institutions are taking concrete steps for the education and training of students.

Keywords: Educational insight, Center of attraction, Training, Integrated, Exemplary, Research and Criticism, madrassas

چراغِ لالہ سے کوہ و دمن روشن ہوتے ہیں تو مرغِ چمن بھی نغموں پر اکساتا ہے۔اقبال کے تعلیمی افکار سے جہان روشن ہے۔اس فکر انگیز موضوع پر قلم اٹھانا سعادت بھی ہے اور شجاعت بھی۔اقبال وہی تو ہے جو اس قوم کا اقبال بنا۔برف زاروں کے لیے آتشِ سیّال بنا۔اس کا ہر شعر نئے فکر کا ٹکسال بنا۔وہ ہمارے لیے تلوار بنا اور ڈھال بنا۔اس اقبال نے ایک تسلسل سے ہمیں بیدار کرنے کا فریضہ سر انجام دیا۔اس کے حوصلے بلند تھے۔وہ پُر امید تھا۔غم و اندوہ کے عیب سے پاک تھا۔مصلحت کوشئ گفتار اس کا شعار نہ تھا۔اس کا منشور کسی غیر کا آئین نہ تھا۔وہ باغئ ملا ضرور تھا مگر بے دین نہ تھا۔اقبال کی آواز میں ایک درد تھا،ایک چنگاری تھی۔اس کی گستاخ کلامی میں بھی ایک خودداری تھی۔وہ اقبال ہی ہے جس نے صدیوں سے بھٹکی ہوئی تہذیب کو پذیرائی عطا کی۔گویا نرگس کب سے بے نور تھی،اقبال نے اسے بینائی عطا کی۔وقت نے تو ہمیں تنہائی ہی تنہائی عطا کی تھی مگر اقبال کی تنہائی نے بھی انجمن آرائی کی۔وہ عشق کے صرف وعدے لے کر نہیں آیا بلکہ اپنی پہچان کے سب آئینے لے کر آیا۔اقبال ایک مفکر شاعر ہیں اور اس بات کو تسلیم کرنے کی

بہت وجوہ ہیں۔ آپ نے ادیبوں اور شاعروں کو کہتے سنا ہو گا کہ ہم اقبال کی شاعری سے ذرا دور رہنا چاہتے ہیں کیونکہ مطالعے کے بعد شعری سحر کاری سے اپنے وجود کو محفوظ نہیں رکھ پاتے۔ اگر ہم سب کو نظر انداز کر دیں اور صرف اقبال کی تعلیمی بصیرت کو تسلیم کر لیں تو یہ حکیم الامت علامہ اقبال کے تعلیمی افکار کی سچائی کا منہ بولتا ثبوت ہو گا۔ پروفیسر عبد الحق کہتے ہیں۔

> "اقبال کے شعری حوالوں کے دوش بدوش، خطوط و خطبات، مضامین اور مقالوں میں صد رنگ صورتیں جلوہ نما ہیں۔ جن کا احاطہ آسان بھی نہیں ہے۔ مگر سب کے مطالعہ سے ہی مرکزی خیال کی بازیافت ممکن ہے۔ اقبال نے ان تصورات سے متعلق متعدد مقدمات قائم کیے ہیں جو نظم و نثر میں منتشر مگر فکر و خیال میں منظم اور مربوط ہیں۔ ان مقدمات کی مدد سے ان کے تعلیمی تصورات کی ترسیل و تفہیم سہل ہو جاتی ہے"(۱)

موضوعات کی فراوانی کے باوجود بنی نوع بشر کی معاشرتی زندگی میں تعلیم کا پہلو نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ فکرِ اقبال کے مطالعہ سے ہم یہ نتیجہ اخذ کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اہم اور ترجیحی مقاصد میں تعلیم مرکزِ کشش کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور پھر تعلیم کے ساتھ تربیت کی ہم آہنگی عمدہ نتائج کی ضامن ہوا کرتی ہے۔ اس سے علم اور عمل میں بھی ارتباط پیدا ہوتا ہے۔ زندگی مستحکم ہوتی ہے۔ تعلیم کسی بھی نوعیت کی ہو اس میں تربیت کا کردار بہت اہم ہوا کرتا ہے۔ صرف کتابیں پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہے۔ کتاب سے سیکھنا ضروری ہے۔ ہمارا موجودہ نظامِ تعلیم کتابوں کی حد تک تو بہت وسعت رکھتا ہے لیکن اس کے نقصانات بھی مختلف صورتوں میں ہمارے سامنے آرہے ہیں۔ یہ نظام ہماری فطرت کے منافی ہونے کے باعث ناموزوں صورت اختیار کرتا جارہا ہے۔ یہ نظام کردار کی نامناسب قسم پیدا کر رہا ہے۔ یہ نظامِ تعلیم طلباء کو ماضی سے الگ تھلگ کرتا دکھائی دے رہا ہے۔ یہ نظامِ تعلیم قوتِ ارادی پیدا کرتا دکھائی نہیں دیتا۔ صرف انسانی ذہن کی تربیت ہی اس نظامِ تعلیم کا مقصد دکھائی دیتا ہے۔ اقبال کے نزدیک قومیں اس لیے زندہ رہتی ہیں کہ وہ اپنے ماضی کی عظیم شخصیات کو فراموش نہیں کرتیں۔ اس لیے ایسے نظامِ تعلیم کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی ہے جس میں ہماری معاشرتی اور تاریخی روایات کو زندہ رکھنے کے منہاج کو فوقیت حاصل ہو۔ اس نہج پر کی گئی تربیت سے مثبت نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ ضربِ کلیم میں "تعلیم و تربیت" کے نام سے اقبال نے باقاعدہ ایک عنوان باندھا ہے۔ اس عنوان کے تحت نظمیں کہی ہیں۔ اس عنوان سے پہلے "علم و عشق" کی گفتگو میں عشق کہتا ہے۔

بندہ تخمین و ظن! کرمِ کتابی نہ بن　　عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب!(۲)

اقبال نے تربیت پر زور دیا ہے جس سے بحر کی موجوں میں اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ اقبال کا مقصد یہ بھی ہے کہ ہر ملک کا اپنا رہن سہن ہے۔ اپنی ثقافت ہے۔ وہاں تعلیم و تربیت کا انداز بھی ان کے اپنے ماحول کے مطابق ہو گا۔ ایسا ممکن نہیں کہ ہر جگہ ایک جیسا ہی نظام تربیت جاری کیا جائے۔ اگر دیکھا جائے تو اسباق کی جگہ درسیات کے ساتھ مظاہر کی کھلی فضا میں فکر و شعور کی صحت مند نشو و نما، تعلیم و تدریس کے لیے بہت موثر ثابت ہو گی۔ اساتذہ کو ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے اقبال نے کہا کہ طلبا کی تربیت کے لیے اگر ان میں لعل بدخشاں جیسا آب و تاب پیدا کرنا ہے تو صرف خورشید کی شعاؤں پر قناعت سے کام نہیں چلے گا۔ اقبال نے اپنے افکار کے ذریعے یہ سمجھایا ہے کہ اس غلامی سے بھی بدتر تعلیمی پس ماندگی ہے جس نے قوم سے وقار، عزت، رتبہ، اتحاد، اتفاق، حب الوطنی اور قوم پرستی کا جذبہ چھین لیا۔ اقبال روایتی طرز تعلیم کو بھی پسند نہ کرتے تھے۔ اس سے آزادی فکر قید ہو جاتی ہے۔

اقبال کے تعلیمی تصورات اور تربیت پر تین اداروں کا اثر نظر آتا ہے پہلا درس نظامی دوسرا سر سید کی تحریک اور تیسرا مشرق و مغرب کی درس گاہیں۔ اقبال کے گھر کا ماحول اسلامی تھا۔ درس نظامی ہو یا اسلامی مدرسہ کا نظام، یہ ابتدائی تربیت کا حصہ ہے۔ دوسرا ادارہ سر سید کی تحریک ہے جس کا اثر مولوی میر حسن کی وجہ سے اقبال کی شخصیت پر ان مٹ نقوش چھوڑ گیا اور تیسرا اثر اقبال کی غیر ملک تعلیم اور خود اپنے مطالعہ کا تھا جو مشرق و مغرب کے مفکرین کے افکار کا مطالعہ اقبال نے کیا تھا۔ یورپ کی دنیا کامیابی کی اور برصغیر کی دنیا غلامی کی زندگی گزارتی تھی۔ اقبال غلامی کی نفسیات سے شدید متاثر ہوئے اسی لیے تو بندہ غلام اور مردان حر کی باتیں کرتے ہیں۔ یہ سب تعلیم و تربیت ہی کے بعد نتیجہ کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ پروفیسر عبدالحق کہتے ہیں:

> "کرگس اور شاہین کی پرواز میں فرق ہے۔ ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں میں بھی یہی صورت ہے۔ قدم بوسی کی عادی غلاموں کی نماز میں سجدہ طویل ہوتا ہے اور آزاد بندوں کے سر بہ سجود ہونے سے روحِ زمین کانپ اٹھتی ہے۔ لاکھ تعلیم و تربیت کے باوجود ذاغ میں بلند پروازی پیدا نہیں ہوتی۔ خوئے غلامی جب راسخ ہو جائے تو قیام کے وقت بھی غلام سجدہ ریز ہو جاتا ہے" (۳)

جس قوم کی ایسی حالت ہو اس کا لہو سوز یقیں سے گرمانا چاہیے اور یہ سوز یقیں تعلیم و تربیت ہی سے ممکن ہے۔ اقبال کے پیغامِ تعلیم و تربیت کو وسعت دے کر پیش کرنا عصرِ حاضر کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اقبال کے تعلیمی نظام میں تجلیاتِ کلیم اور مشاہداتِ حکیم کی گوناگوں صورتیں ہماری بصیرت کو چکا چوند کر دیتی ہیں۔ خودی کا فروغ ہو، قوتِ عمل کی تعمیر ہو اور سیرتِ کردار کا مرحلہ ہو، ان تمام عناصر کی ضو تعلیم و تربیت کے شرر سے توقیر پاتی ہے۔ اقبال علم کو مذہب کے تابع قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک:

اس سیلِ سبک سیر و زمیں گیر کے آگے　　عقل و نظر و علم و ہُنر ہیں خس و خاشاک
لا دِیں ہو تو ہے زہرِ ہلاہِل سے بھی بڑھ کر　　ہو دِیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک (۴)

فکرِ اقبال میں دین کی حفاظت ہی ہر چیز کا تریاک فراہم کرتی ہے۔ وہ نظامِ تعلیم جس سے روحانیت جاتی رہے اور الحاد و مادہ پرستی کو فروغ حاصل ہو، وہ قوموں کے لیے تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔ اگر ہم اعلیٰ تعلیم کے نقصانات پر نگاہ ڈالیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس نے عوام کو جذبہ خودی سے محروم کر دیا ہے۔ انسانوں کو ذہنی انتشار میں مبتلا کر دیا ہے۔ انسان کی قوتِ فکر کو سخت صدمہ پہنچایا ہے۔ اندازِ حیات پر مادی ضروریات کا غلبہ دکھائی دیتا ہے۔ جدید تعلیم میں معاشی خوش حالی پر زیادہ زور دکھائی دیتا ہے۔ اس بات نے تعلیم کے اعلیٰ مقاصد کو شدید متاثر کیا ہے۔ عصرِ حاضر نے فکرِ معاش دے کر ہماری روح بھی قبض کر لی ہے۔ زندگی ہمارے لیے موت بن چکی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں:

> "اس دور کا تعلیمی نظام صرف معاش کے حصول کا ذریعہ ہے۔ گویا ساری زندگی کو معاش کے اندر محدود کر دیا گیا ہے۔ زندگی کی تمام قوتیں اور توانائیاں معاش کے حصول کی فکر میں ختم کر دی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علمی اور فکری صلاحیتیں ہمارے طلباء سے روز بروز مفقود ہوتی جا رہی ہیں۔ فکر و نظر کی پستی، علمی ہلکا پن نمایاں ہے۔ جوانی کی وہ ساری قوتیں، صلاحیتیں اور توانائیاں جو زندگی کو پروان چڑھاتی ہیں، ان کے سوتے خشک ہو کر رہ گئے ہیں" (۵)

جدید تعلیم نے مغرب سے متاثر اور مرعوب ہونے کے رجحان میں اضافہ کیا ہے۔ نظریاتی اعتبار سے اقبال کے فکری نظام کی اہمیت مسلّم ہے جو مغرب کی تقلید سے دامن بچائے رکھنے کا باعث بھی ہے۔ علمی میدان کے تمام نکات پر فکرِ اقبال سے راہنمائی ملتی ہے۔ وہ ماہرین جو تعلیمی مسائل کے حل میں دل چسپی رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ افکار و خیالات میں تعمیری اور تعلیمی مواد کا بے بدل خزانہ فکرِ اقبال کا سرمایہ ہے۔ اقبال کے تعلیمی افکار میں استاد کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔ اقبال کے نزدیک طلباء کی تربیت کے لیے اگر ان میں لعلِ بدخشاں جیسا آب و تاب پیدا کرنا ہے تو صرف خورشید کی شعاعوں پر قناعت سے گزارا ممکن نہیں۔ روایات کے پھندوں سے زندگی کے ضمیر کو آزاد کر کے امامت کا عزم پیدا کرنا، استاد اور اسباق، دونوں کے مشروط فرائض میں شامل ہے۔ اس لیے فکرِ اقبال کی قرآت لازم ہو جاتی ہے کہ:

مقصد ہو اگر تربیتِ لعلِ بدخشاں　　بے سُود ہے بھٹکے ہوئے خورشید کا پرتَو
دُنیا ہے روایات کے پھندوں میں گرفتار　　کیا مدرسہ، کیا مدرسے والوں کی تگ و دَو!
کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت　　وہ کُہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو! (۶)

وہ علم جو انسان کو گمراہیوں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دے، جو کمالِ انسانیت کی طرف نہ لے کر جائے، تو ایسے علم کے منہاج پر نظرِ ثانی کی جانی چاہیے۔ ایسا علم جو مرد و زن اور کنبہ و خاندان کی تربیت میں مثبت کردار ادا نہ کرتا ہو، اس سے فی الفور دوری اختیار کی جائے۔ فکرِ اقبال کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ مغرب کا اندوہ ناک سانحہ یہی ہے کہ اس نے عورت سے جذبہ امومت اور گھر ہستی کا رتبہ چھین لیا ہے۔ اگر مدرسہ زن، دین اور تعلیم سے بے گانہ رہے تو معاشرہ ترقی بھی نہیں پا سکتا اور اقبال کی یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے:

جس عِلم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نا زن　　کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دِیں سے اگر مدرسہ زن　　ہے عشق و محبّت کے لیے عِلم و ہُنر موت (۷)

نظامِ تعلیم وہ عظیم ترین قوت ہے جو معاشرے کا دھارا بدل دیتی ہے۔ اس لیے قوت میں بھی اعتدال اور توازن قائم رکھنا نہایت ضروری ہے اور یہ اعتدال اور توازن دین ہی کے ذریعے قائم رہ سکتا ہے اور تربیت کے مثبت نتائج فراہم کر سکتا ہے۔ تعلیم میں اہم ترین پہلو بچے کے کردار کی تشکیل ہے۔ مقصدِ حقیقی حاصل کرنا ہو تو اس کے لیے باکردار نوجوانوں کی ضرورت ہے اور تعلیم کے بغیر ایسے نوجوان میسر آنا ممکن نہیں۔ مقصدِ صالح کا حصول مقصودِ حیات ہو تو درس گاہوں کی اہمیت بھی سامنے آجاتی ہے۔ اداروں یا درس گاہوں کا ماحول نیک مقاصد کے حصول میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ تعلیمی اداروں کی ضو سے ظلمتِ کردار روشن ہوتی ہے۔ لیکن موجودہ نظامِ تعلیم میں اداروں کا کردار بھی فعال نہیں۔ مسلمانوں کی یونیورسٹیوں سے یورپ میں علم کا چرچہ ہوا جس کا ذکر اقبال کے افکار میں دیکھا جا سکتا ہے مگر اقبال ہی نے عصرِ حاضر کے تعلیمی اداروں کو تنقید کا نشانہ بھی بنایا ہے۔ اقبال نے نوجوانوں کے لیے شاہین کو بہ طور علامت استعمال کیا ہے۔ خلوتِ کوہ و بیاباں میں شاہین پر اسرار فاش ہوتے ہیں۔ نوجوانوں پر بھی تعلیمی اداروں میں علم و آگہی کے راز کھلتے ہیں مگر ایسا نہیں ہے۔ اقبال نے کہا:

اُس جنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا　　جو یہ کہتا تھا خِرد سے کہ بہانے نہ تراش
فیضِ فطرت نے تجھے دیدہ شاہیں بخشا　　جس میں رکھ دی ہے غلامی نے نگاہِ خفّاش
مَدرسے نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو　　خلوتِ کوہ و بیاباں میں وہ اَسرار ہیں فاش (۸)

یہ خداوندانِ مکتب ہی ہیں جو فیضانِ نظر، مکتب کی کرامت اور آدابِ فرزندی کے شعور کو جِلا بخش سکتے ہیں۔ تعلیم میں اس وقت تک کوئی بنیادی اور عملی تبدیلی ممکن نہیں جب تک معزز اساتذہ کرام کی حالتِ زار کو نہ بدلا جائے۔ یہ استاد ہی ہے جو ذہنوں پر دائمی اور نہ مٹنے والے نقوش ثبت کرتا ہے۔ فکرِ اقبال کی ضوفشانی ملاحظہ کیجیے:

شیخِ مکتب ہے اک عمارت گر　　جس کی صنعت ہے روحِ انسانی
نکتہ دل پذیر تیرے لیے　　کہہ گیا ہے حکیمِ قا آنی
"پیشِ خورشید بر مکش دیوار　　خواہی ار صحنِ خانہ نورانی" (۹)

اقبال کا انقلاب دائمی ہے جو لمحات کے ذہنوں پر طاری ہے۔ جو اپنی نمود چاہتے ہوں، سمجھیں اقبال کا انتساب ان کے نام ہے۔ اقبال کے تعلیمی افکار اندھیروں کو سحر خیزیاں عطا کرتے ہیں۔ خود گری بھی اور خود شکنی بھی، اقبال کا درس بھی یہی ہے اور اس کا نصاب بھی یہی۔ اقبال کے تعلیمی افکار بصیرتوں سے معمور ہیں جن کی سبک خرامی قلب و ذہن کے لیے فیض بخش ہے۔ تعلیم کے موضوع سے گریز اقبال کے لیے کسی بھی طرح ممکن نہ تھا۔ کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ تعلیم کو مرکزِ کشش کی حیثیت حاصل ہے۔ غور کیا جائے تو ہم تعلیم کو تربیت کے ساتھ ملزوم جانتے ہیں۔ اگر تربیت کا پہلو نظر انداز کر دیا جائے تو تعلیم کا تخیل بے ربط ہو جاتا ہے اور شاید بے سود بھی۔ اگر کامرانی کے خوش گوار نتائج کا حصول درکار ہے تو تعلیم کے ساتھ تربیت کا ارتباط ضروری ہے۔ تعلیم کا تعلق کسی بھی پہلو سے ہو، وہ روایتی ہو یا غیر روایتی، جدید ہو یا قدیم، مشرقی ہو یا مغربی، کتابی ہو یا عملی، مسجد کا صحن ہو یا درویشوں کے حلقہ کے خاک نشیں ہوں یا پھر کمرہ جماعت کے طلبا و طالبات ہوں، سب کے لیے تعلیم بھی یکساں ہے اور تربیت بھی۔ تدریس ہو یا تعلیم، مقالہ جات ہوں یا تصانیف، یہ ممکن نہیں کہ ان کی مدد سے خرد کی گتھیاں سُلجھالی جائیں اور نہ ہی صرف ان کی مدد سے مثالی معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ تربیت بھی تعلیم کے بغیر انفرادی طور پر کارہائے نمایاں انجام نہیں دے سکتی۔ تعلیم کے بغیر تربیت کے نتائج مہلک ترین صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ کتب کے مطالعہ سے معلومات کا خزانہ تو ہاتھ لگ سکتا ہے، تخمین و ظن میں مہارت حاصل کی جا سکتی ہے مگر نور و سرور کے حصول کا دعویٰ ممکن نہیں۔

کتب کے اوراق بے جان ہوتے ہیں جن سے زندگی میں طمانیت اور ضمیر میں آسودگی اور بیداری ممکن نہیں۔ اس کے لیے فطرت کے مشاہدات پر نظر رکھ کر عرفان و بصیرت کا مرحلہ طے کیا جا سکتا ہے جس سے سینۂ آدم آتشیں ہو جاتا ہے۔ یہی مشاہدات قلب و نظر کو تر و تازگی عطا کرتے ہیں اور قلبی تسکین کا باعث بنتے ہیں اور انسان نئی منزلیں تلاش کرتا ہے۔ پھر ایسے ہی اشخاص قدرت کی آغوش میں تربیت پاتے ہیں اور نئی تاریخ رقم کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ تعلیمی اداروں کو مناظرِ فطرت کی کھلی فضا دستیاب ہونی چاہیے تاکہ فطرت کے مقاصد کی ترجمانی اور نگہبانی ممکن ہو سکے۔

عصرِ حاضر میں ایک دل چسپ موضوع سے مقررین حضرات ماحول کو گرماتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنے جوشِ خطابت اور ذوقِ یقین سے نوجوان نسل کو شرمندہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ آج تمام خامیوں اور خرابیوں کا باعث نوجوان نسل کو ہی قرار دیا جاتا ہے۔ ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم نے ان کی تعلیم و تربیت کے لیے کون سا عملی کردار ادا کیا ہے؟ کون سا عملی فریضہ انجام دیا ہے؟ ہم صرف اپنی بدحالی کا رونا ہی روتے دکھائی دیتے ہیں۔

"شکوہ" اور "جواب شکوہ" صرف ہمارا مرثیہ ہی نہیں، صرف المیہ ہی نہیں ہے۔ صرف ہمارا سانحہ ہی نہیں ہے۔ غور کیا جائے تو یہ ہمارا شاندار ماضی بھی تو ہے۔ یہ ہماری شاندار تاریخ کا عکاس بھی ہے۔ یہ ہماری تابناک داستان بھی تو ہے۔ یہ ہمارا روشن و

رخشاں اور نیّر و تاباں قصہ ہے جس کی تعلیم سے نوجوانوں کو متحرک کیا جانا چاہیے۔ فکرِ اقبال میں شکایت اور مایوسی نہیں ہے بلکہ یہ تو کامیابی کا ایک دستور فراہم کرتا ہے۔ یہ تو تعلیم و تربیت کے لیے روشن مستقبل کا لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔ یہ تو خوش حالی اور خوش بختی کی روشن راہیں استوار کرتا ہے۔ فکرِ اقبال کی تطہیر اور پاکیزگی کو محدود اور مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔ غور کیجیے: اقبال نے کہا:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا　　اپنے افکار کی دُنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حِکمت کے خم و پیچ میں اُلجھا ایسا　　آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شُعاعوں کو گرفتار کیا　　زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا! (۱۰)

یہ شکایت نہیں بلکہ نوجوان نسل کی تعلیم و تربیت کے اس منہاج کی طرف اکساتا ہے جس میں صداقت، عدالت اور شجاعت کا سبق پڑھنے کی تلقین ہے۔ یہی نوجوان ہیں جن کی تعلیم و تربیت کا فریضہ ہمیں مل جل کر سر انجام دینا ہے۔ تبھی تو یہ دنیا کی امامت کے قابل ہوں گے۔ ہمارا فرض بھی ادا ہو گا اور تعلیم و تربیت کے بعد یہ نوجوان نسل بھی اپنا قومی، ملی اور اخلاقی فرض بخوبی ادا کرنے کے قابل ہو گی۔ کیوں کہ اقبال نے یہ کہہ کر ہمیں سوچنے پر ہی مجبور نہیں کیا بلکہ نوجوان نسل کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ہمیں بیدار رہنے کا پیغام دیتے ہوئے کہا ہے کہ:

؎ نہیں ہے نا اُمید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے　　ذرا نم ہو تو یہ مٹّی بہت زرخیز ہے ساقی (۱۱)

ہمارے نوجوان نہ تو بے ذوق ہیں اور نہ ہی کم کوش، اس لیے اقبال نے انہیں مایوسی کا سبق نہیں دیا بلکہ تعلیم و تربیت کا ہنر استعمال کرنے کا مشورہ دیا ہے اور رہبر فرزانہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

؎ نومید نہ ہو ان سے اے رہبرِ فرزانہ!　　کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی (۱۲)

فکرِ اقبال میں جہاں تعلیم کے فروغ کا پیغام ہے وہاں اقبال نے فنی تعلیم کی اہمیت پر بھی بصیرت افروز کلمات ادا کیے ہیں۔ جاپان کی ترقی میں فنی تعلیم کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے اُس دور میں اقبال نے اسے بہت ہی اہم قرار دیا تھا جو نہ صرف جاپان کی ترقی سے واضح ہے بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فنی تعلیم خود اپنا لوہا بھی منوا چکی ہے۔ نسلِ نو بے ہمت دکھائی دیتی ہے۔ یہ اخلاقی پستی کا شکار ہے۔ اس کا ذمہ دار بھی موجودہ نظامِ تعلیم ہی ہے۔ اس نظامِ تعلیم میں اخلاق پر کوئی زور نہیں پھر تربیت کی کیا اہمیت ہو؟ یہی وجہ ہے کہ آجکل ہمارے جوانوں کے دل بھی سوزِ دروں سے خالی ہو چکے ہیں۔ ان کی نظروں سے حیا بھی جاتی رہی۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی زبان بھی بہت تیز ہو چکی ہے۔ ان کی نگاہوں میں اشکِ ندامت نہ رہا۔ ان کے دل سے خوف بھی جاتا رہا۔ اس کی وجہ تعلیمی ادارے اور نصاب ہے جس نے نوجوانوں کو اپنے حصار میں جکڑ رکھا ہے۔ اس سے نوجوانوں کی فطری صلاحتیں بری طرح متاثر ہوئی ہیں۔

فکرِ اقبال میں موضوعات اور اس کے ساتھ ساتھ ذیلی عنوانات کی بھرمار ہے۔ اقبال کا موضوعِ سخن وسیع تر ہے اور اسالیب اظہار بھی انفرادیت کا حامل ہے۔ ایسی کوئی دوسری مثال ہمیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی جہاں اقبال جیسا رنگ و آہنگ پایا جاتا ہو۔ اقبال کے شعر و فلسفہ کا اہم ترین پہلو یہ بھی ہے کہ وہ قاری کے فکر و شعور کو اپنا بنا لینے کا عزم رکھتے ہیں اور اس کے قلب و نظر کے دل کی کیفیت کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ یہ بہت مخلصانہ اور موثر کوشش ہے۔ کئی ادیب اقبال کے شعر و فلسفہ کا مطالعہ اس لیے نہیں کرتے کہ پھر وہ اس کے سحر میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور اپنا وجود کھو بیٹھے ہیں یہ بات انہیں اچھی نہیں لگتی۔ ایک سنجیدہ قاری جب کلامِ اقبال کا مطالعہ کرتا ہے تو اقبال کا شعر و فلسفہ اس طرح اس پر اثر انداز ہوتا ہے جیسے قاری نے کوئی معجزہ دیکھ لیا ہو۔ اقبال کے فنی معجزات کی دنیا نور بن کر پڑھنے والوں کے دلوں پر نازل ہوتی ہے۔ اقبال نے جب تمام موضوعات پر قلم اٹھایا تو کیسے ممکن تھا کہ وہ تعلیم جیسا اہم ترین

پہلو نظر انداز کر دیتے۔ اگر دیکھا جائے تو یہ موضوع فکرِ اقبال میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اقبال کے نزدیک تعلیم، تربیت کے ساتھ ملزوم ہے۔ صرف تعلیم کا کوئی فائدہ نہیں ہے اگر اس کے ساتھ تربیت کا پہلو شامل نہ ہو۔ عمدہ نتائج اس وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا پہلو بھی شامل ہو۔ تعلیم کا پہلو مستحکم ہوتا ہی اس وقت ہے جب اس کے ساتھ تربیت کا پہلو بھی شامل ہو۔ اس کے لیے تعلیم کو گروہوں میں نہیں بانٹا جا سکتا۔ تعلیم چاہے روایتی ہو یا غیر روایتی، جدید ہو یا قدیم، مشرقی ہو یا مغربی، کتابی ہو یا عملی، صحن مسجد ہو یا حلقہ درویشاں کے خاک نشیں یا کمرہ جماعت کے طلبا و طالبات سب کے لیے تعلیم و تربیت لازمی ہے۔ ان میں جان و تن جیسی ہم آہنگی لازمی ہے۔ کتابیں ہوں یا مقالات، تعلیم ہو یا تدریس، ان کی مدد سے نہ تو خرد کی گتھیاں سلجھ سکتی ہیں اور نہ مثالی معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔ ساتھ ہی تربیت بھی تعلیم کے بغیر تنہا رہ کر موثرات سے محروم رہتی ہے۔ کتابوں کے بے جان اوراق سے زندگی اور ضمیر کو سکون نہیں ملتا اس لیے فطرت کے مشاہدات پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ کردار آفرینی نصابِ تعلیم کی بنیاد ہے۔ ماہرین نے ہمیشہ کردار سازی پر زور دیا ہے۔ کسی بھی فرد کی تربیت صرف کتاب اور خطاب سے ممکن نہیں بلکہ طلبا کی فکر اور ان کی نفسیاتی تربیت بھی ضروری ہے۔ اگر علم صرف کتابوں سے حاصل ہو سکے تو دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں مگر اس کے لیے تربیت بہت اہم ہے۔ طلبا کے لیے تربیت کے مواقع فراہم کرنا درس گاہوں کی ذمہ داری ہے۔ نوجوانوں کی تربیت کے لیے اور ان کی فکر کو ابھارنے کے لیے نصاب میں تعمیری عناصر کا ہونا ضروری ہے۔ ہمیں تعلیم و تربیت کو یکساں لے کر آگے چلنا ہو گا۔

اقبال کے افکار نظم و نثر دونوں صورتوں میں قابلِ ستائش ہیں۔ تعلیم کے حوالے سی اقبال کی فکری وابستگی فکرِ اقبال کا اہم موضوع ہے۔ اسے فکرِ اقبال کا بنیادی رکن سمجھنا چاہیے۔ اقبال نے کئی نصاب تیار کیے۔ کئی دانش گاہوں سے وابستہ رہے۔ کم عمر بچوں سے لے کر بڑوں تک کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا۔ نصاب کی کتابیں مرتب کیں۔ تحریری طور پر تجاویز فراہم کرتے رہے۔ کابل کا تعلیمی سفر کیا۔ کابل یونیورسٹی کا سنگِ بنیاد رکھا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی وائس چانسلری کے لیے آپ کا انتخاب کیا گیا۔ یہ سب اقبال کی تعلیمی دوروں کے طفیل ہی ممکن ہوا۔ تعلیمی کمیٹیوں میں آپ کی تجاویز کو قبول کیا گیا۔ پنجاب اسمبلی میں تعلیم کے مسئلے پر تقاریر اقبال کے تعلیمی فکری رویے کی ترجمانی کرتی ہیں۔ آپ ایک کامیاب طالبِ علم بھی رہے اور کہنہ مشق مدرس بھی۔ لندن مین بھی پڑھایا اور لاہور میں بھی۔ مولانا میر حسن سے لے کر معاصر علما اور اکابرین سے بھی استفادہ اور استفسار کرتے رہے۔ قدیم و جدید علوم کا گہرا مطالعہ کیا۔ علم و دانش کی طرف خیال افروز تصورات کا شاعرانہ اظہار اقبال کے فہم و فراست کا عکاس ہے۔ کہتے ہیں:

؎ مشرق سے ہو بیزار، نہ مغرب سے حذر کر　　فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر! (۱۳)

اقبال کی تعلیمی بصیرت اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اس پہلو پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ آپ کے تعلیمی افکار کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہے کہ آپ تعلیم، تربیت اور نوجوانوں کے ساتھ ساتھ نصاب، مدرسہ اور اساتذہ کے معاملات سے بھی گہری دل چسپی رکھتے تھے۔ اقبال کے تعلیمی افکار کی روشنی میں ہمیں موجودہ نظامِ تعلیم پر توجہ دینی چاہیے۔ اس مضمون کے مطالعہ سے اقبال کے تعلیمی افکار با آسانی دیکھے جا سکتے ہیں۔ تعلیم کے میدان میں اقبال کی کاوشیں بھی اس مضمون کا جزو ہیں۔ اس سے تحقیق و تنقید کی راہیں کشادہ ہوں گی۔ اقبالیات کا دامن کشادہ ہو گا اور فکرِ اقبال کے ماخذ توسیع اختیار کریں گے اور اقبال کے تعلیمی افکار کی سچائی عصرِ حاضر کے لیے اہم خزانہ ثابت ہو گی۔ اساتذہ اور طلباء کے ساتھ ساتھ والدین کے لیے بھی اقبال کے تعلیمی افکار قابلِ عمل ہیں۔ سب کو مل جل کر تعلیمی میدان میں اپنا کردار ادا کرنا ہو گا۔

حوالہ جات

۱۔ عبد الحق، پروفیسر، اقبال کا حرفِ شیریں، نئی دہلی، اصیلا پریس دریا گنج، ۲۰۱۴ء، ص: ۴۴

۲۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۴ء، ص: ۵۳۳

۳۔ عبد الحق، پروفیسر، اقبال کا حرفِ شیریں، ص: ۵۴

۴۔ اقبال، کلیاتِ اقبال، (اُردو)، ص: ۵۴۱

۵۔ طیب عثمانی، اقبال۔ شخصیت اور پیغام، دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، چٹلی قبر، ۱۹۹۴ء، ص: ۱۴۶

۶۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص: ۵۹۷

۷۔ ایضاً، ص: ۶۰۸

۸۔ ایضاً، ص: ۵۹۶

۹۔ ایضاً، ص: ۴۹۴

۱۰۔ ایضاً، ص: ۵۸۳

۱۱۔ ایضاً، ص: ۳۵۱

۱۲۔ ایضاً، ص: ۳۸۵

۱۳۔ ایضاً، ص: ۱۲۱

Reference in Roman Script:

1. Abdul Haq, Professor, Iqbal K a Harf-e Shireen, New Delhi, Asila Press, Darya Ganj, 2014, p: 44

2. Iqbal, Kalyat-e-Iqbal (Urdu), Lahore, Iqbal Academy Pakistan, 2004, p:533

3. Abdul Haq, Professor, Iqbal Ka Harf-e Shireen, p: 54

4. Iqbal, Kalyat-e-Iqbal, (Urdu), p.: 541

5. Taib Usmani, Iqbal. Shakhsiyat aur Paigham, Delhi, Markazi Maktaba Islami Publishers, Chitli Qabar, 1994, p: 146

6. Iqbal, Kalyat-e-Iqbal (Urdu), p: 597

7. Ibid, p: 608

8. Ibid, p: 596

9. Ibid, p: 494

10. Ibid, p: 583

11. Ibid, p: 351

12. Ibid, p: 385

13. Ibid, p: 121